حدیث افتراقِ امت

(۲)

از جناب مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی ندوۃ المصنفین دہلی

پارٹیوں کا ظہور اور اب وہ وقت قریب تر ہوگیا کہ آیت "او یلبسکم شیعاً" کی تاویل دنیا بہت جلد اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ اچانک خلافتِ راشدہ کے دورِ رابع میں ایک طوفانِ بدتمیزی اٹھا۔ ایک جماعت قرآن ہاتھوں میں لئے ہوئے ہے تہجد کے نشانات اس کی پیشانیوں پر ہیں اور وہ خلیفۂ وقت پر چڑھائی کے لئے اس لئے جمع ہوئی ہے کہ اس کے نزدیک وہ کافر ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کون ہے جسے یہ بدبخت دائرہ اسلام سے خارج کر رہے ہیں؟ وہ کہ جس کی شمشیر اور جس کی تقریر نے نہ معلوم کتنے کفار کو مسلمان بنایا تھا جس کی نسبت ارشادِ نبوی تھا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔ علیؓ تمہیں میرے ساتھ وہ نسبت ہے جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھی۔ اور وہ جس کو امت باب العلم کہتی ہے۔ حیرت ہے کہ جس کو کل دورِ کفر میں پہلا مسلمان کہا جاتا تھا آج اسلام کے زمانہ میں خود اسی کے دورِ خلافت میں اُسے اول کافر کہا جا رہا ہے۔ یہ فتنہ خوارج کا فتنہ تھا جس کی تفصیل کتبِ تاریخ میں مذکور ہے [1]

---

[1] حافظ ابن عبد البرؒ نے اس کی مختصر سرگذشت اس طرح لکھی ہے کہ جب خوارج حضرت علیؓ پر چڑھائی کر کے آئے تو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے امیر المومنین دیکھئے۔ (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

ان کے اقوال و عقائد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہایت موٹی عقل اور سطحی علم کے مالک تھے۔ درک مقاصد، فہم معانی، استنباط و استنتاج کا ان میں کوئی ملکہ نہ تھا۔ قرآن شریف پڑھنے کا انھیں شوق ضرور تھا مگر اس کے معانی کی انھیں کوئی اہمیت نہ تھی۔ طوطے کی طرح قرآن ان کی زبانوں پر تھا مگر ان کے قلوب اس کی صحیح ہدایات اور لطیف مضامین سے قطعاً خالی تھے، ان کی

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) یہ جاہل لوگ آپ کے مقابلہ میں آمادہ پیکار کھڑے ہیں آپ نے جواب دیا کہ پہلے انھیں جنگ شروع کر لینے دو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک دن میں نے عرض کیا کہ آج ذرا تاخیر سے نماز ادا کیجئے میں ان لوگوں سے گفتگو کر لوں۔ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بھیڑ لگ رہی ہے شب بیداری کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہی مائل ہیں سجدوں کے نشان پیشانیوں پر ہیں اور کھنیوں میں اونٹ کے گھٹنوں کی طرح ٹھیک پڑگئی ہیں۔ دُھلی ہوئی قمیص پہنے ہوئے ہیں حضرت ابن عباسؓ کو دیکھا تو بولے ابن عباسؓ کیسے آئے؟ اور یہ حلہ کیسا پہن رکھا ہے؟ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں میں نے جواب دیا کہ تمہیں اس حلہ پر کیا اعتراض ہے میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر اچھے اچھے یمنی کپڑے دیکھے ہیں۔ اس کے بعد قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ زینت اور اچھی اچھی غذائیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہیں کس نے حرام کیں۔

پھر انھوں نے دریافت کیا کہو کیوں آئے ہو میں نے جواب دیا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور ایک ایسی جماعت کے پاس سے آرہا ہوں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور جن میں قرآن نازل ہوا تھا اور تم میں کوئی شخص ایسا نہیں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو، میری آمد کا مقصد یہ ہے کہ ان کی باتیں تم تک اور تمہاری باتیں ان تک پہنچا دوں۔ انھوں نے آپس میں کہا ان سے بات مت کرو کیونکہ یہ قریشی ہیں اور ان کے حق میں قرآن کہتا ہے بل ھم قوم خصمون۔ بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں۔ بعض نے کہا کہ ہم ضرور گفتگو کریں گے اس کے بعد ان میں سے دو تین شخص سامنے آئے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت علیؓ پر تمہیں کیا اعتراض ہے۔ انھوں نے کہا تین اعتراض ہیں، میں نے کہا بتلاؤ انھوں نے کہا پہلی بات تو یہ ہے کہ انھوں نے دین کے معاملہ میں انسانوں کو حَکَم بنایا حالانکہ قرآن کریم میں ہے ان الحکم الا للہ۔ فیصلہ صرف خدا کا ہے۔ میں نے کہا چلو ایک بات ہوئی، اور بولو۔ کہنے لگے حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ سے جنگ کی پھر نہ کسی کو قید کیا اور نہ مال غنیمت لوٹا۔ اب اگر ان کی جماعت مسلمان تھی تو ان سے جنگ کیوں کی اور اگر کافر تھی تو جس طرح ان کے ساتھ جنگ درست تھی قید کرنا بھی درست تھا۔ میں نے کہا اچھا اور کچھ؟ بولے تیسری بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنا نام امارت سے کیسے مٹایا اس لئے اگر وہ مومنین کے امیر نہیں تو یقیناً کافروں کے امیر ہوئے۔

میں نے کہا اگر میں ان سب باتوں کا تمہیں خود قرآن و سنت ہی سے جواب دیدوں (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

اسی علمی بے مائگی کی طرف حدیث کے الفاظِ ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرھم یعنی وہ قرآن تو بہت تلاوت کریں گے مگر قرآن صرف ان کی زبانوں پر ہوگا اُن کے قلوب میں علم وفہم کا کوئی ذرہ تک نہ ہوگا۔ دوسری علامت ان کے علم نما جہل کی یہ بتلائی گئی ہے کہ یقتلون اھل الاسلام ویدعون اھل الاوثان۔ بت پرستوں کو چھوڑ کر اہلِ اسلام کو قتل کریں گے۔ کچھ یہ تجربہ بھی ہے کہ سطحی علم کے ساتھ مزاج میں شدت اور نفس میں تقشف پیدا ہونا لازم ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضؓ جب ان سے مناظرہ کے لئے پہنچے ہیں تو جو پہلا فقرہ انھوں نے فرمایا ہے وہ یہ تھا۔ میں ایسی جماعت کے پاس سے آرہا ہوں جس میں یہ قرآن اترا ہے اور جو براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تو کیا واپس چلے جاؤ گے انھوں نے کہا کیوں نہیں۔ اس پر میں نے کہا اچھا تو سنو!

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ خود قرآن ہی میں دوسروں کو حکم مقرر کرنیکا حکم موجود ہے چنانچہ حالتِ احرام میں کوئی شخص شکار کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جزا مقرر کی ہے اور اس کا فیصلہ دو منصف مسلمانوں پر رکھا ہے جو وہ کہدیں گے وہی قابلِ تسلیم ہو جائے گا۔ اسی طرح خلع میں طرفین کے دو شخص بلاکر فیصلہ ان کی رائے پر رکھدیا ہے۔ اب تم ہی انصاف کرو کہ جب جانوروں اور عورتوں تک کے معاملات میں مسلمانوں کا فیصلہ قابلِ تسلیم سمجھا گیا ہے تو مسلمانوں کے جانی معاملات میں کیوں قابلِ تسلیم نہیں ہوگا۔ اب بتلاؤ تمہارا یہ اعتراض جاتا رہا یا نہیں کہنے لگے جی ہاں۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ بتلاؤ حضرت عائشہ رضؓ تمہاری ماں تھیں یا نہیں اگر انکار کرتے ہو تو کافر ہوتے ہو اور اقرار کرتے ہو تو کیا قید کرنے کے بعد ان کے ساتھ وہ سب معاملات درست رکھو گے جو دوسرے قیدیوں کے ساتھ جائز ہوتے ہیں اگر اس کا اقرار کرتے ہو تو بھی کافر ہو۔ کہو اس پر تمہارا کوئی اعتراض ہے؟ انھوں نے کہا نہیں۔

میں نے کہا کہ اب تیسری بات کا جواب سنو، صلح حدیبیہ میں ابوسفیان وسہیل کے اصرار پر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام سے رسول اللہ کا لفظ محو کرنے کا امر نہیں فرمایا تھا پھر اگر حضرت علی رضؓ نے اپنا نام امارت سے علیحدہ کردیا تو کیا ہوا۔

سوال وجواب کے بعد ان میں دو ہزار اشخاص تو واپس ہوگئے اور جو رہ گئے وہ قتل کردیئے گئے۔

(جامع بیان العلوم ج ۲ ص ۱۰۴)

قرآن خواں اور قرآن داں کا فرق

اس کا مطلب یہ تھا کہ تم قرآن خواں ضرور ہو مگر قرآن داں نہیں، اگر انصاف کرتے تو یہ فیصلہ آسان تھا کہ قرآن کے صحیح مراد وہ لوگ زیادہ جانتے تھے جن میں سب سے پہلے قرآن اترا، اور جنھوں نے براہِ راست صاحبِ کتاب سے اس کی مرادیں سمجھیں اور اپنی آنکھوں سے اس پر صحیح عمل کا طریقہ دیکھا یا تم جوان میں سے کسی ایک بات میں بھی ان کے شریک و سہیم نہیں۔ نہ تم قرآن کے نزول کے ماحول سے واقف ہو اور نہ اس کی مراد دریافت کرنیکا کوئی صحیح معیار تمہارے سامنے ہے صرف ایک سطحی علم، ایک جامد رائے اور ایک جہل آلود مزاج ہے، اس پر یہ دعوکا ہے کہ مخلص بھی تم ہی ہو، قرآن کو بھی تم ہی سمجھتے ہو اور تم ہی اس پر عمل کرتے ہو۔

اسبابِ اختلاف حضرت ابنِ عباسؓ کی نظر میں

اسی لئے جب ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ابنِ عباسؓ سے دریافت فرمایا کہ اس امت کا جب نبی ایک، قبلہ ایک، کتاب ایک ہے تو پھر اس میں اختلاف کیونکر پیدا ہوگا تو ابنِ عباسؓ نے یہی جواب دیا تھا کہ اے امیرالمومنین قرآن ہمارے سامنے اترا ہے۔ ہم تو اس کے موارد نزول کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ لیکن آئندہ ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن تو پڑھیں گے مگر انھیں صحیح طور پر اس کے موارد و مصادر کا علم نہ ہوگا پھر اس میں اپنی طرف سے رائے زنی شروع کریں گے اور اٹکل کے تیر چلائیں گے۔ اس لئے ان میں اختلاف ہو جائے گا اور جب اختلاف ہوگا تو لڑائیاں ہوں گی۔ شروع میں تو حضرت عمرؓ نے اس خیال سے اتفاق رائے نہ کیا لیکن غور کرنے کے بعد انھیں بھی ابنِ عباسؓ سے اتفاقِ رائے کرنا پڑا۔ [۱۵]

حضرت ابنِ عباسؓ کے اس صوابدید کی اس سے زیادہ شہادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسلام میں ایک مشہور گروہ بندی کی جب بنیاد پڑتی ہے تو وہ اسی ناواقفی و جہل کی بدولت نظر آتی ہے۔ چنانچہ خوارج کا نقطۂ ضلالت یہی تھا کہ جو آیات کفار کی شان میں نازل ہوئی تھیں انھیں وہ مسلمانوں کے حق میں سمجھ کر انھیں کافر قرار دیتے۔ پھر اس جاہلانہ بنیاد پر اُن سے آمادۂ جنگ ہو جاتے تھے۔

---

[۱۵] الاعتصام ص ۱۵۷۔

سلف کی یہ دقتِ نظر قابلِ داد ہے جنھیں ہر دینی معاملے میں سب سے پہلے یہی تلاش رہا کرتی تھی کہ یہاں صحابہ کرام کا طریقہ کیا تھا اور جب ان کی کوئی ایک رائے معلوم ہو جاتی تو اسی کو اپنے لئے اسوہ بنا لیتے اور اختلاف دیکھتے تو ان ہی آراء میں سے کسی کا اتباع کر لیتے اور اُن سے باہر قدم نکالنا ضلالت و گمراہی تصور کرتے۔ ۵۱

---

۵۱ حافظ ابن عبدالبر امام اوزاعی سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے شاگرد بقیہ بن الولید سے فرمایا

یا بقیۃ العلم ما جاء عن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وما لم یجئ فلیس بعلم ۵۱	اے بقیہ بس علم تو وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے منقول ہو اور جو ان سے منقول نہیں وہ علم ہی نہیں۔
قال الشعبی ما حدثوک عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخذ بہ وما قالوا فیہ برأیہم فبل علیہ ۵۲	عامر شعبیؒ کہتے ہیں لوگ جو باتیں تمہارے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی جانب سے نقل کریں، انھیں تو اختیار کر لو اور جو اپنی رائے سے کہیں انھیں نفرت کے ساتھ چھوڑ دو۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

لا یزال الناس بخیر ما اتاہم العلم من قبل اکابرہم فاذا اتاہم من قبل اصاغرہم هلکو۔ ۵۳	جب تک لوگوں کے سامنے بڑے بڑے علماء کا علم رہے گا وہ دین میں ترقی یافتہ رہیں گے اور جب ناواقفوں کا علم شروع ہو تو برباد ہو جائیں گے۔

ابنِ مبارکؒ فرماتے ہیں اصاغر سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین میں اپنی رائے لڑائیں، ابو عبیدہؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک اس کی مراد یہ ہے کہ جو لوگ صحابہ کے بعد ہیں ان کا علم حاصل کیا جائے اور صحابہ کے علم کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دی جائے۔ ۵۴

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام ربیعہ پر سخت گریہ طاری ہوا ان سے دریافت کیا گیا خیر تو ہے کیا کوئی مصیبت درپیش ہے فرمایا نہیں لیکن یہ دیکھ رہا ہوں کہ دین کی باتیں بے علموں سے دریافت کی جاتی ہیں اور یہی گمراہی کا پیش خیمہ ہے ۵۵

ان آثار اور اس طرح کے بہت سے آثار سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلف کے یہاں صحابہ کے علم کا کتنا وزن تھا ان کے یہاں اس علم کی اتنی قدر و قیمت کیوں تھی؟ - (باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

---

۵۱ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۲۹ ۵۲ ایضاً ج ۲ ص ۳۲ ۵۳ ایضاً ج ۱ ص ۱۵۹ ۔ ۵۴ ایضاً ج ۱ ص ۱۵۸ ۔ ۵۵ الاعتصام ص ۱۳۹ ج ۲

کلام فہمی کے لئے محاورات کے سوا مصنف کی مزاجی خصوصیات کا علم بھی ضروری ہے

اگر ملکی عادات، رسم و رواج، زبانی محاورات، مصنف کی خصوصیات کا علم کسی عام کلام کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے تو بلاشبہ کلام اللہ کے مراد متعین کرنے کے لئے بھی اس کا علم ضروری ہے کہ عرب کا ماحول، عرب کی زبان پھر سب سے پہلے کتاب اللہ کا طرزِ خطابت کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ ان اوصاف میں جس قدر عہدِ نبوۃ کے قریب ہوتے جاؤ گے اتنا ہی کمال نظر آتا جائے گا اور جتنا اس عہد سے نیچے اترتے آؤ گے اتنا ہی نقصان نظر آتا جائے گا۔

علم کا طول و عرض اور ہے اور اس کا عمق اور

اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ صحابہ کے علوم میں وہ طول و عرض نہیں ملتا جو متاخرین کے یہاں موجود ہے مگر صحیح علم طول و عرض کا نام نہیں بلکہ اس کے رسوخ اور عمق کا نام ہے۔ اکتسابی اور رسمی فنون چونکہ محض انسانی دماغ کی پیداوار ہیں اس لئے ظنی ہیں اور ظنیات میں چونکہ یقین حاصل نہیں ہوتا اس لئے تحصیل یقین کی سعی میں دلائل اور تحقیقات کا طول و عرض خواہ مخواہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن وحی کا علم قطعی ہے وہ جتنا نظر آتا ہے سب مغز ہی مغز ہوتا ہے

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اس کا راز یہ ہے کہ جس طرح سنت مقاصدِ قرآنیہ کے لئے کاشف ہے اسی طرح صحابہ کے کلمات مقاصدِ سنت کی شرح کرنے والے ہیں کیونکہ یہ کلمات اگر حضورؐ سے سُنے ہوئے ہیں تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل سے افضل کوئی نقل نہیں ہو سکتی اور اگر وہ ان کی اپنی رائے ہے تو دین میں ان کی رائے سے بہتر کس کی رائے ہو سکتی ہے۔

محمد بن سیرینؒ سے حج کے ایک مسئلہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ کرھھا عمر و عثمان فان یکن علماً فھما اعلم منی وان یکن رأیا فرأیھما افضل۔[۱] یعنی عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ نے مکروہ سمجھتے تھے اب اگر یہ علم تھا تو وہ مجھ سے زیادہ عالم تھے اور اگر ان کی رائے تھی تو ان کی رائے میری رائے سے افضل ہے۔

یہ محمد بن سیرینؒ کا قول ہے جو مشہور ترین تابعی ہیں اور تابعین میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں وہ علم اسی کو کہہ رہے ہیں جو آنحضرتؐ سے منقول ہو اور اس کے سوا جو علم ہے اس کا نام رائے رکھتے ہیں پھر صحابہ کی رائے کا وہ مرتبہ سمجھتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں اپنی رائے قابلِ ذکر نہیں سمجھتے۔

[۱] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۳۱

اس لئے اس میں طول و عرض نہیں ہوتا ہاں اس کی گہرائی بے اندازہ ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص زمین کی کرویت یا اس کی حرکت بزورِ دلائل ثابت کرنا چاہے تو اس کے لئے بہت بڑے علم بہت کافی تجربے اور ایک طویل عمر کی حاجت ہوگی لیکن وہ شخص جو ان دونوں چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اس کو ان میں سے کسی بات کی بھی ضرورت نہیں، سب سے بڑی دلیل سب سے بڑا تجربہ اس کا اپنا مشاہدہ ہے۔ اس لئے جو یقین اس کو حاصل ہے وہ پہلے شخص کو عمرِ عزیز بھی نصیب نہیں ہو سکتا چنانچہ قرآنِ کریم میں فرمایا۔ افتمارونہ علی ما یری کیا تم اس رسول سے اس کی آنکھوں دیکھی باتوں میں جھگڑتے ہو۔ بہرحال جب دین کے علم اور دین کے مسائل پر بحث ہوگی تو سب سے پہلے یہ پیشِ نظر رہنا ضروری ہے کہ اس باب میں صحابہ اور سلف[1] کی رائے کیا تھی اور ان کی رائے کے بعد [illegible]

---

[1] حضرت حسنؓ صحابہؓ کے حال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یہ جماعت پوری امت میں سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ گہرے علم کی مالک اور سب سے زیادہ بے تکلف جماعت تھی خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کی رفاقت کے لئے اسے پسند کیا تھا وہ آپ کے اخلاق اور آپ کے طریقوں سے مشابہت پیدا کرنے کی سعی میں لگی رہا کرتی تھی اس کو دھن تھی تو اسی کی تلاش تھی تو اسی کی۔ اس کعبہ کے پروردگار کی قسم ہے کہ وہ جماعت صراطِ مستقیم پر گامزن تھی (الموافقات ج ۴ ص ۷۸)

حضرت ابنِ مسعودؓ کی تعبیر اس سے بھی زیادہ صاف، شاندار اور مکمل ہے۔

من کان منکم متأسیا فلیتأس باصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فانہم کانوا ابر هذه الامة قلوبا واعمقها علما واقلها تکلفا واقومها ھدیا واحسنها حالا قوما اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ واقامۃ دینہ فاعرفوا لہم فضلہم واتبعوھم فی آثارھم فانہم کانوا علی الھدی المستقیم۔	تم میں جس کو اقتدا کرنا ہو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی اقتدا کرے کیونکہ وہ نیک دلی میں سب سے زیادہ علم میں سب سے گہرے نہایت بے تکلف مضبوط کیرکٹر اور بہت اچھے حالات کے لوگ تھے اور اسی لئے خدا تعالیٰ نے اس بہترین جماعت کو اپنے بہترین رسول کی صحبت اور دین کی حفاظت کے لئے انتخاب کیا تھا اس لئے تم بھی ان کی بزرگی پہچانو اور ان کے ہی نقشِ قدم پر چلو کیونکہ وہ سیدھے اور صاف راستہ پر تھے۔

(باقی حاشیہ برصفحۂ آئندہ)

دوسری سب رائیں اسی طرح ٹھکرا دینے کے قابل ہوں گی جس طرح ہائیکورٹ کے نظائر کے مقابلہ میں دوسری عدالتوں کے فیصلے ٹھکرا دینے کے قابل سمجھے جاتے ہیں۔ وہ دین کا ہائی کورٹ ہے اور ان سے زیادہ صحیح مراد حاصل کرنا عقلاً تو ممکن ہے مگر واقعات کے دائرہ میں ممکن نہیں اس کے جو علم بھی ہے گو اس میں طول و عرض نظر آئے اور اس میں عمق کا بھی گمان ہوتا ہو لیکن وہ سب سطحی علوم ہیں اور ان کا اتباع یقیناً دینی افتراق کا باعث ہو کر رہے گا۔[1] اسی کی طرف حدیث ذیل میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

لا یقبض اللہ العلم انتزاعا	اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں کے سینوں سے ایکدم نہیں
ینتزعہ من الناس ولکن یقبض	نکالے گا بلکہ علماء کو ایک ایک کرکے اٹھالے گا۔
العلم بقبض العلماء حتی	یہانتک کہ جب کوئی صحیح عالم نہ رہے گا تو لوگ
اذا لم یبق عالم اتخذ الناس	جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے وہ فتوے دیں گے
رؤسا جہالا فافتوا بغیر علم	اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ
فضلوا واضلوا۔	کریں گے۔

عالم رئیس فتنہ نہیں ہوتا جاہل پر عالم کا گمان کرلیا جاتا ہے

بعض علماء نے اس حدیث سے خوب استنباط فرمایا ہے کہ علماء کہ رئیس ضلالت نہیں ہوتے مبدأ ضلالت ہمیشہ جاہل ہوتا ہے پھر اس اتباع میں گمراہی پھیلتی ہے مگر فتن جب ٹوٹتے ہیں تو ایک تاریکی لیکر نہیں ٹوٹتے اپنے گرد و پیش میں اتنی تاریکیاں لیکر آتے ہیں کہ اس وقت عالم اور غیر عالم کی شناخت ہی ممکن نہیں رہتی۔ غیر عا

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) صحابہ کی صفات اور ان کے علمی پایہ کے متعلق الفاظ کا یہ توافق بتلاتا ہے کہ ان میں یہ اوصاف اس قدر عیاں تھے کہ جو شخص بھی انہیں دیکھتا تھا وہ ان اوصاف کو سب سے پہلے ان میں دیکھ لیتا تھا اور اس لئے خود ان کے سامنے سرنگوں ہوجاتا اور دوسروں کو اس وصیت کے پہنچانے کے لئے مجبور تھا جو ان زمانہ میں ان مقدس ہستیوں کا بچشم خود مشاہدہ کرنے والے تھے یا اس سے قریب تر زمانہ میں تھے ان کی رائے ا یہ ہے اور جو ان دو صفتوں سے محروم ہیں اگر وہ کوئی اور رائے رکھتے ہیں تو وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔

(حاشیہ صفحۂ ھذا) [1] دیکھو اعلام الموقعین ج ۱ ص ۶۶ و ج ۴ ص ۱۱۳ و ۱۳۶

بانیٔ ضلالت ہوتا ہے اور یہ ٹیکہ علمار کے نام پر مفت لگ جاتا ہے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک امین انسان کبھی خیانت نہیں کرتا لیکن غلطی سے کبھی امین کے دھوکہ میں امانت خائن کے ہاتھوں میں جا پڑتی ہے۔ وہ خیانت کرتا ہے پھر مشہور یہ ہوتا ہے کہ فلاں امین نے خیانت کی ہے اسی طرح ایک عالم متقی، راسخ العلم، کبھی منشار ضلالت نہیں ہوتا۔ یوں زلّة ولغزش انسانی فطرة ہے وہ اس وقت زیر بحث نہیں۔ فرقہ بندی اور فرقہ پرستی کا جذبہ ہمیشہ بے علموں میں اُبھرتا ہے مگر بدنامی علم کے نام پر باقی رہ جاتی ہے۔ آج بھی اگر ہندوستان کی فرقہ بندیوں پر نظر ڈالوگے تو ان کے مختلف عناصر میں ایک بڑا عنصر یہی بے علمی ہے یا وہ فرزانگی جس کی بلند پروازیوں کے لئے حدود اور غیر حدود کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہا۔

سطحی اور عمیق علم کا فرق

بحث تشنہ رہ جائیگی اگر اس مرحلے پر سطحی علم اور عمیق علم کی مناسب وضاحت نہ کی جائے۔ صاحبِ موافقات نے اپنی کتاب کے شروع میں تیرہ مقدمات تحریر فرمائے ہیں جن میں ہر مقدمہ اپنی جگہ مہم اور ضروری ہے لیکن بارھواں مقدمہ ہمارے مضمون کے لحاظ سے اور بھی زیادہ اہم ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علم ہمیشہ محقق اور راسخ العلم شخص سے حاصل کرنا چاہئے کیونکہ مشہور ہے کہ از ناقصے کامل نزاید۔ اس کی علامت تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ راسخ العلم کی بڑی علامت یہ ہے کہ اس نے علم شیوخ کی زیر نگرانی اور ان کی تربیت میں رہ کر حاصل کیا ہو تاکہ ان کے فیض صحبت سے اس کا رسوخ بھی حاصل ہو جائے۔ صحبت اور ملازمتِ شیخ کو رسوخ علم میں بڑا دخل ہے۔ صحابہ کا علم اسی طریق پر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں ایک "قل ھو اللہ" پڑھنے والا صحابی جس خوبی اور پختگی سے توحید اسلام سمجھا ہوا تھا آج تیس پاروں کا حافظ بھی اس کا عشر عشیر سمجھا ہوا نہیں۔

صرف مطالعہ کا علم اغلاط سے پاک نہیں ہوتا

بات یہ ہے کہ الفاظ میں اشتراک وترادف، حقیقت ومجاز اور عموم وخصوص کے احتمالات پھیلتے چلے جاتے ہیں اس لئے محض لفظوں کی لوٹ پلٹ سے یقین تک رسائی نہیں ہوتی، محقق معلم ایک نکھری نکھرائی مراد متعلم کو بتلا دیتا ہے پھر یہ کچھ قدرتی انتظام بھی ہے کہ جب ایک جماعت تشنہ لب، دستِ حاجت دراز کئے ہوئے تحصیل علم کے لئے آتی ہے

تو اس اجتماع میں کچھ عجیب برکت پیدا ہو جاتی ہے یعنی معلم میں قوتِ افادہ اور متعلم میں وہبی طور پر قوتِ استفادہ کچھ اس طرح رونما ہو جاتی ہے کہ علوم جس انداز سے یہاں کھلتے ہیں صرف اپنے مطالعہ سے نہیں کھلتے۔ آخر یہ کیا بات تھی کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے بعد ہی اپنے قلوب میں ایک تغیر محسوس کیا تھا۔ حضرت حنظلہ جب اپنے گھر آتے تو اُن کے قلب میں بردِ یقین کی جو کیفیت آپ کی صحبت میں ہوتی بدل جاتی۔ یہ انشراح و یقین سب اسی ملازمت ہی کا کرشمہ تو ہوتا تھا

زیرِ تربیت علم کی تاثیرات

اس تربیت اور صحبت کی تاثیر بعض مستعدین پر تو عجب حیرت انگیز طریقے سے ہوئی ان کی قوتِ استفادہ اتنی ترقی کر گئی کہ بعض مرتبہ نزولِ وحی سے پہلے ہی وہ بجلی کی طرح دوڑ کر اس کو لپک لیا کرتے۔ کسی کو یہ خیال بھی نہ ہوتا کہ وحی الٰہی کا فیصلہ کل کیا ہوگا۔ مگر نورِ نبوۃ کا یہ تربیت یافتہ، انوارِ صحبت سے لبریز، مجلس میں بول اٹھتا اور جو وہ بول اٹھتا کل وحی اسی کے موافق نازل ہو جاتی، صلاحیت و صواب رسی کی یہی وہ آخری منزل تھی جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہو گیا ہوتا تو یہ خلعت اس کو پہنا دیا جاتا۔ یہ وہی ہے جس کو دنیا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نام سے پکارتی ہے۔ صحاح کی روایات میں تو موافقاتِ عمرؓ کی تعداد تین ہی بتلائی گئی ہے مگر موافقاتِ عمرؓ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ بہرحال اگر عمرؓ اس ماحول کے سوا قرآن کریم کا مطالعہ کہیں اور رہ کر کرتے تو کیا یہ صواب رسی، یہ توقد یہ ذکاء ان کو میسر آتا۔

صلح حدیبیہ میں صحابہ کے اضطراب اور پھر سکون میں ایک تعلیمی سبق

دیکھئے صلح حدیبیہ کا واقعہ ان کے اور دیگر صحابہ کے لئے کتنا مشکل سبق تھا فاتحانہ جرأت رکھتے ہوئے مفتوحانہ شرائط کو معقول [illegible] کٹھن منزل تھی۔ پھر آپ کو معلوم ہے کہ وحی الٰہی نازل ہوئی اور اس نے [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جو اس معاملہ میں سب سے زیادہ الجھن میں پڑے ہوئے تھے بلایا اور وحی الٰہی کو پڑھ کر سنا دیا آپ کا پڑھ کر سنانا تھا کہ یا ابھی ابھی وہ بے چینی وہ اضطراب تھا کہ طبیعت سنبھالے نہ سنبھلتی تھی یا اب صلح حدیبیہ کا فتح ہونا ان کی رگ و پے

میں اتنا سما چکا تھا کہ تمام اضطراب و بے چینی کی بجائے سکون ہی سکون و اطمینان ہی اطمینان تھا۔

حادثۂ وفات پر صحابہ کرام کا دوسرا اضطراب و سکون اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حادثۂ وفات نے جو ہیجان اُن کے سینہ میں برپا کردیا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کی موت کے نام لینے والے کا جواب شمشیر سے دینا چاہتے تھے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ادھر آیتہ وما محمد الا رسول نے کا پڑھنا تھا ادھر یہ اذان کے ساتھ بہت سے مدہوش صحابہ ہوش میں تھے۔ صحبت میں رہ کر جو علوم حاصل کئے جاتے ہیں ان میں اول تو شبہات پیدا نہیں ہوتے اور جو پیدا ہوتے ہیں وہ اسی طرح ظاہری و باطنی اثرات سے کافور ہوتے رہتے ہیں حتیٰ کہ

علم پڑھنا پھر اسے گننا چاہئے جب ایک متعلم اس طرح علم پڑھتا اور گُن لیتا ہے تو اس کا قلیل علم بھی قلیل نہیں ہوتا۔ اب اس کا نام علم نہیں رہتا بلکہ قرآنی الفاظ میں شاید حکمت ہو جاتا ہے قرآن کریم میں جس حکمت کو حضرت لقمان کا بڑا علم بتلایا گیا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ ہم نے لقمان کو حکمت مرحمت فرمائی تھی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ پڑھ لیا کرتے تھے۔ ویعلمہم الکتاب والحکمۃ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

حکمت کا مفہوم گو عام مفسرین نے حکمت کی تفسیر سنت کی ہے مگر یہاں اور بھی بہت اقوال موجود ہیں۔ تعلیم کتاب کے ساتھ جب حکمت کی تعلیم نہیں رہتی تو گویا اصل دوا کا بدرقہ نہیں رہتا اس لئے اس کی تاثیر میں بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ معلم محقق کتاب کے ساتھ حکمت کی بھی تعلیم دیتا ہے جو کتاب کے علاوہ دوسری چیز ہوتی ہے۔ یہ حکمت کتاب کی شکل میں کوئی دوسری کتاب نہیں ہوتی بلکہ اس کتاب کو صحبتِ نبی میں پڑھنے کے وہ اثرات ہوتے ہیں جو مستعد شخص کی ذہنیت میں وہ صلاحیت پیدا کردیتے ہیں کہ صحیح فہم و فراست اس کے لئے ملکۂ نفس بن جاتی ہے اس کے خیالات و عقائد خود پاکیزہ اور دوسروں کو بھی پاکیزہ بنا دیتے ہیں۔ غلط بات کو اس کا ذوق قبول نہیں کرتا اور صحیح حقیقت قبول کرنے میں اُسے کچھ تردد نہیں رہتا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں۔

الحکمۃ والعلم نور یھدی حکمت اور علم ایک نور ہے خدا تعالیٰ جسے

بہ اللہ من یشاء۔ چاہتا ہے دیدیتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کسب کا ثمرہ ہی نہیں بلکہ وہبی نعمت بھی ہے کسی نصیب والے کو مل جاتی ہے۔ کتاب اللہ کے ساتھ جب یہ حکمت نہیں ہوتی تو خام طبائع اسے فلسفہ بنا لیتی ہیں غالباً اقبال مرحوم نے اسی کے لئے یہ شعر کہا ہے۔

فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی

امام مالکؒ جب مسائل اجتہادیہ اپنے طلبہ کے سامنے بیان فرماتے تو طلبہ ان سے لکھنے کی اجازت طلب کرتے آپ منع فرما دیتے اور کہتے کہ یہ مسائل اگر دنیا میں پھیل گئے پھر کل ان کے متعلق میری رائے بدل گئی تو اس کی تلافی مشکل ہو جائے گی اس لئے لکھو مت۔ انھوں نے عرض کیا پھر کیا کریں تو فرمایا

تحفظون وتفھمون حتی بس زبانی یاد رکھو اور انھیں خوب سمجھ لو یہاں تک کہ

تستنیر قلوبکم ثم لا تحتاجون جب تمہارے قلوب روشن اور منور ہو جائیں گے

الی الکتابۃ۔ تو اس کے بعد لکھنے کی خود بخود ضرورت نہ رہے گی۔

دوسری جگہ امام مالکؒ فرماتے ہیں۔

لیس العلم بکثرۃ الروایۃ ولکنہ علم کثرتِ روایات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نور ہے

نور یجعلہ اللہ فی القلوب۔ جس کو اللہ تعالیٰ دلوں میں ڈالدیتا ہے۔

پھر اس کی علامت بیان فرماتے ہیں کہ

ولکن علیہ علامۃ ظاھرۃ وھو التجافی عن اس کی ایک کھلی علامت دنیا سے نفرت

دار الغرور والانابۃ الی دار الخلود اور آخرت کی طرف توجہ ہے۔

علم ایک نور کا نام ہے | امام مالکؒ جیسا شخص یہاں یہ بتلا رہا ہے کہ علم کثرتِ روایت اور طول وعرض کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نور ہے جس کے بعد دماغ رٹنے کا محتاج نہیں رہتا اس کی روشنی میں

حقائق اشیا راسی طرح نظر آنے لگتی ہیں جیسا کہ آفتاب کی روشنی میں سیاہ و سفید۔

علم کے متعلق اشراقیہ کی رائے

اشراقیین کا بڑا طبقہ علم کی حقیقت بھی اشراق نوری قرار دیتا ہے۔ علم درحقیقت اسی نور کا نام ہے جب تک یہ نور پیدا نہیں ہوتا اس وقت تک مسائل غامضہ تو درکنار بدیہیات بھی اپنی پوری حقیقت کے ساتھ منکشف نہیں ہوتے وہ قرآنی سورتیں کی سورتیں پڑھجاتا ہے۔ حدیثوں کے انبار کے انبار رٹ لیتا ہو لیکن اُس کے قلب میں جو درحقیقت علم کی تخت گاہ ہے علم و فہم کا کوئی حصہ نہیں پہنچتا اسی لئے حوارج کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ یقرؤن القراٰن لا یجاوز حناجرھم۔ علم کی حقیقت سے ناآشنا تو آیات واحادیث کا یہ طول وعرض الفاظ کا یہ طمطراق دیکھ دیکھکر مرعوب ہوتا رہتا ہے مگر حقیقت شناس جانتا ہے کہ یہ علم نہیں خوشنما الفاظ کا صرف ایک انبار ہے جس کی حقیقت قاعدۂ بغدادی کے صرف انتیس حروف ہیں اور بس۔ اس کے برخلاف جو علوم تاثیر صحبت سے راسخ ہوکر نور کی شکل اختیار کرلیتے ہیں وہ کتنے ہی مختصر ہوں اُن کا جامہ کتنا ہی کہنہ اور دریدہ ہو مگر قدر شناس خوب جان لیتا ہے کہ یہ گدڑیوں میں لعل ہے۔

نور علم بلا عقیدت واتباع منتقل نہیں ہوتا

یہ علم صرف مشائخ کرام اور علماء کبار کی زیر تربیت ہی حاصل ہوتا ہے اور اس لئے جب تک متعلم ان کے ساتھ عقیدت و محبت کا تعلق نہ رکھے ان کے رنگ میں رنگین نہ ہو۔ اس وقت تک علم کا یہ نور بھی اس کے سینہ میں منتقل نہیں ہوتا۔ وہ حرف شناس ہوکر حاضر ہوتا ہے اور فقرہ باز بن کر واپس چلا جاتا ہے۔ اب جتنا چاہے اس پر ناز کرے۔

غالباً اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ سطحی علم سے ہمارا کیا مطلب تھا اور صحابہ کے علم کو ہم نے صرف حسنِ اعتقاد سے نہیں بلکہ حقیقت کی بنا پر عمیق کہا تھا۔ اب یہ علم اگر کسی سینہ میں سرایت کرجائے تو کیا آپ کے نزدیک اس پر مقاصدِ شریعت مخفی رہ سکتے ہیں۔ اگر علم کے مختلف حاملین ایک ہی منبع سے فیض یاب ہوں جہاں کوئی اختلاف نہیں تو کیا ان میں اختلاف پیدا ہونے کا کوئی احتمال ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد راسخ العلم کی دوسری علامت یہ تحریر فرمائی ہے کہ اس کا علم وعمل، حال و قال ایک دوسرے سے مطابق ہو۔

علم صحیح عمل کی دعوت دیتا ہے

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد یہ نتیجہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے کہ صحیح عالم بے عمل ہو ہی نہیں سکتا اور نہ صحیح علم بلا عمل قائم رہ سکتا ہے۔ علم صحیح کا تسلط اور اس کی باطنی تسخیر اپنے حامل کو اس کے لئے بے کا دیتی ہے کہ وہ اس کے مقتضا پر عمل کرے۔ کچھ دن عالم اور علم میں یہ کشمکش رہتی ہے پھر بالآخر یا عالم کو اقتضاءِ علم کے تابع ہو جانا پڑتا ہے ورنہ علم خود اس سے کنارہ کش ہو کر اپنی گدی ویران چھوڑ جاتا ہے۔

علماءِ سوء کی علامت

فاضل مؤلف نے آٹھویں مقدمہ کے آخر میں ایسے علماء کا نام علماءِ سوء رکھا ہے اور اس کی شہادت میں اکابر صحابہ وعلماء کے آثار ذیل نقل کئے ہیں۔

"حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اے گروہِ علماء اپنے علم پر عمل بھی کیا کرو کیونکہ عالم وہ ہے جو پہلے علم حاصل کرے پھر اس پر عمل بھی کرے اس کا علم وعمل یکساں نظر آئے۔ آئندہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو علم حاصل کریں گے مگر ان کے گلے کے نیچے نہ اتریگا، ان کا باطن ان کے ظاہر کے مخالف اور ان کا علم ان کے عمل کے برخلاف ہوگا۔ حلقے بنا بنا کر بیٹھیں گے اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر کریں گے۔ یہانتک کہ اپنے شاگرد پر کوئی تو اس لئے ناراض ہوگا کہ وہ اسے چھوڑ کر دوسرے کے حلقۂ درس میں کیوں بیٹھ گیا یہی لوگ ہیں جن کے اعمال قبول نہ ہوں گے۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ عالم تو وہ ہے جو اپنے علم کے موافق عمل بھی کرے لیکن جس کا علم وعمل مخالف ہو وہ کیا عالم ہے۔ یہ تو روایتِ حدیث ہے ایک بات سنی پھر اسے نقل کر دی۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علماء وہ لوگ ہیں کہ جب علم حاصل کر لیتے ہیں تو اس پر عمل کرتے ہیں اور جب عمل کرتے ہیں تو اسی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور جب

مشغول ہوجاتے ہیں تو عوام میں نظر نہیں آتے جب نظر نہیں آتے تو ان کی تلاش پڑتی ہے جب تلاش ہوتی ہے تو مخلوق سے بھاگتے ہیں۔

حضرت حسنؓ سے روایت ہے جو شخص لوگوں سے علم میں برتر ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ عمل میں بھی ان سے برتر رہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علم جب آتا ہے تو عمل کو پکارتا ہے اگر وہ بھی آگیا تو ٹھہر جاتا ہے ورنہ وہ بھی رخصت ہوجاتا ہے۔

ان مذکورہ بالا آثار میں علم وعمل کا وہ ربط جو ان حضرات کی دوربین نظروں میں تجربہ کے بعد ثابت ہوا ہے ظاہر کردیا گیا ہے اس کے بعد صاحب موافقات لکھتے ہیں کہ علم میں لگے رہنے سے ایک نہ ایک دن عمل کے لئے مجبور ہوجانا پڑتا ہے۔

حسنؒ فرماتے ہیں "شروع میں ہم نے دنیا کے لئے علم حاصل کیا آخر کار ہمیں علم نے آخرت کی طرف کھینچ ہی لیا"

معمرؒ کہتے ہیں کہ یہ بات مشہور تھی کہ اگر کوئی علم دنیا کی نیت سے حاصل کریگا تو آخر علم اسے کشاں کشاں خدا ہی کی طرف لے ہی آئے گا۔

حبیب بن ابی ثابتؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے علم حاصل کرنا شروع کیا تو اس وقت ہماری کوئی اچھی نیت نہ تھی لیکن جب علم آیا تو خود بخود اچھی نیت پیدا ہوگئی۔

اختلاف کا دوسرا سبب اتباع ہویٰ ہے۔ قدرت نے انسان میں فہم وفراست اور عقل وذکاوت کی وہ طاقت ودیعت رکھی ہے کہ جب وہ اس کا پورا پورا ادراک کرلیتا ہے تو بر وبحر کی ساری طاقتیں اس کو اپنی ہی محکوم نظر آتی ہیں وہ سمندروں کے طوفانوں، دریا کی موجوں اور بڑے بڑے حوادثِ ارضی کو نظر میں نہیں لاتا وہ سورج کی شعاعوں اور بادلوں کے پانی سے بہت بے نیازی کے ساتھ فائدہ اٹھاتا ہے اور اگر اس کے نظامِ عمل میں یہ عظیم الشان مخلوق کبھی اس کے ارادہ کے موافق کام نہیں کرتی تو اپنا ایک الگ سورج اور جدا بادل بناکر نہایت حاکمانہ

انداز میں ان کا بائیکاٹ کردیتا ہے۔

انسان کچھ پر اپنی حکومت دیکھتا ہے اور سب کچھ پر حکومت کا یقین کرلیتا ہے

اپنی حاکمیت کی یہ بے پناہ وسعت دیکھکر اسے یقین ہوجاتا ہے کہ بس وہی ایک حاکم علی الاطلاق ہے اور سب کچھ اسی کے زیر حکومت ہے۔ اسی زعم حاکمیت میں کبھی کبھی جب وہ آسمان کی طرف نظر اُٹھاتا ہے تو اس کی نظر ایک ایسے عالم پر پڑتی ہے جہاں اس کی حاکمیت کا وہ اثر ظاہر نہیں ہوتا جو اس کرۂ ارضی پر نظر آتا تھا یہ ہمہ وقت اس کے قدموں کے نیچے پامال ہورہا ہے اور وہ اس کی قید حکومت سے تمام تر آزاد ہے۔ نظام شمسی وقمری اس کی دست رس سے بالکل باہر ہیں، سیارات کی گردش اور بے شمار ثوابت کی معین نشست پھر ان میں صغیر وکبیر، قرب وبعد کا تناسب، یہ ابھی تک اس کے لئے موجب حیرت بن رہا ہے۔ مدتوں سعی کے بعد اگر اس نے بازو پرواز حاصل کئے بھی تو وہ بھی چند میل کے فاصلہ پر جاکر شکستہ ہوگئے۔ تاہم کبھی وہ ہواؤں پر اڑا اور کبھی پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھا اور اپنی عقل و فراست کی جتنی بھی طاقت تھی وہ سب خرچ کرڈالی مگر ابھی تک اس کو یہ باور نہیں ہوسکا کہ عالم علوی پر بھی اس کو وہی تصرف وقبضہ حاصل ہوگیا ہے جو عالم سفلی پر تھا قدرت اس کو اتنا زبردست حاکم بنا کر پھر کبھی کبھی اس لئے شکست دیتی رہتی ہے کہ اس کے دل میں کبھی اس سے برتر حکومت کا تصور بھی آجائے اسی قدرت وعجز کے درمیان اس کا امتحان لیا جارہا ہے۔

معجزہ

انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ وہ اسی بادشاہت کے پیغمبر ہیں جس سے وہ ہمیشہ شکست کھاتا رہا ہے اور اس دعوی کے ثبوت میں دنیوی طاقتوں کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ اپنی ساری طاقتوں کو بروئے کار لے آئیں اور ان کا مقابلہ کرلیں اور اگر اس پر بھی مقابلہ نہ کرسکیں تو اس کا یقین کرلیں کہ وہ ضرور کسی ایسی حکومت کی طرف سے آئے ہیں جو ان ساری حکومتوں سے قوی تر اور بالاتر ہے اسی کا نام معجزہ ہے اس کے بعد وہ ان کے سامنے ایک دستور العمل رکھتے ہیں، اور بے چون وچرا اس پر عمل کرنے کی عام دعوت دیتے ہیں۔

انسان کا قدرت کے ساتھ ایک فریب

یہ شکست خوردہ انسان گو اس قاہرانہ طاقت کے بالمقابل کبھی کبھی

سرنگوں ہوجانے پر مجبور تو ہوجاتا ہے مگر اندر ہی اندر کوشش کیا کرتا ہے کہ اس حاکم قانون کو بھی اپنی ہی قیدِ حاکمیت میں لے آئے باغی تو یہاں صاف انکار کردیتا ہے اس سے ہمیں سروکار ہی نہیں۔ ایک فرمانبردار بھی اس موقع پر حقِ حاکمیت ادا کرتا نظر نہیں آتا اور ایک صحیح بات کی آڑ لیکر اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے اور بجا کرتا ہے کہ اس آئین کو معقول تر آئین ثابت کرے مگر یہاں فریب یہ ہے کہ اس معقولیت کا معیار اپنی عقلِ نارسا بنا لیتا ہے اور اس لئے اس خیرخواہی میں وہ شریعتِ سماویہ کی گردن توڑتا موڑتا رہتا ہے۔ حکم یہ تھا کہ ہر اختلاف میں اسی قانون کو حکم اور فیصل بناؤ اور عمل یہ ہے کہ اس قانون کو اپنی عقل کے مطابق کرنے کی سعی ہورہی ہے اور اسی کا نام اتباعِ ہویٰ ہے۔

اتباعِ ہدیٰ اور اتباعِ ہویٰ متضاد صفتیں ہیں

قرآن کریم اتباعِ ہویٰ اور اتباعِ ہدیٰ کو دو متضاد چیزیں قرار دیتا ہے یعنی جو متبعِ ہویٰ ہے وہ سماوی ہدیٰ کا متبع نہیں ہوسکتا اور جو آسمانی ہدایت کا متبع ہے وہ ہویٰ کے پیچھے نہیں جاسکتا۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (جاثیہ)

پھر ہم نے آپ کو دین کے راستہ پر رکھا ہے (یعنی ہدیٰ) تو آپ اسی پر چلئے اور بے علموں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلئے۔

یعنی اتباعِ ہدیٰ کو اتباعِ ہویٰ کا ترک لازم ہے۔ ہدیٰ اور ہویٰ اپنی اپنی جگہ دو کھلے ہوئے راستے ہیں، قدرت نے دونوں انسان کے سامنے رکھدیئے ہیں۔ وهديناه النجدين۔ اور ان دونوں راستوں میں ایک راستہ پر چلنے کا حکم اور دوسرے سے احتراز کا حکم دیدیا ہے۔

ہدیٰ اور ہویٰ کے دوراہے پر انسان کا امتحان

اسی دوراہے پر کھڑا کرکے انسان کا امتحان لیا گیا ہے۔ راہِ ہدیٰ پکارتی ہے کہ راہ یہ ہے اس پر چلو مگر ہویٰ مچلنے لگتی ہے اور سو طرح کی رکاوٹیں سامنے لے آتی ہیں۔ ہدیٰ ایک آسمانی آئین ہے اس کی اتباع میں محکومیت کا داغ لگتا ہے اور ہویٰ اپنے ہی نفس کے جذبات ہیں اس کے مان لینے میں حاکمیت کا مزا آتا ہے اس لئے یہاں ایک نیک بخت

انسان بڑی حماقت یہ کرتا ہے کہ ھدی اور ہوی کے درمیان اتفاق و سازگاری کی سعی کرنے لگتا ہے تاکہ ؎ باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی۔

مگر سعی یہ لاحاصل ہے قرآن نے پہلے اعلان کر دیا ہے کہ یہ دو راہیں علیحدہ علیحدہ ہیں ایک کا سرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے اور دوسری کا سرا شیطان کے ہاتھ میں ہے ایک کا منتہی جنت ہے اور دوسری کا دوزخ۔

اتباع ہوی میں سکون کا راز

یاد رکھنا چاہیئے کہ خواہشات و اہوا کا محرک چونکہ خود نفسِ انسانی ہے اس لئے وہ جسمِ انسانی میں جان کی طرح رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں سرایت کی ہوئی ہوتی ہیں ان کا خلاف اتنا ہی مشکل ہوتا ہے جیسا کہ جسم کو جان کا۔ ان میں اسی طرح فطری جاذبیت ہوتی ہے جیسا کہ لوہے اور مقناطیس میں اور جب کبھی ان پر قرآن و سنت کا ملمع چڑھ جاتا ہے تو اب وہی ہوی ٹھیک ھدی کی صورت نظر آنے لگتی ہے اور ہدی اور ہوی کے اس توافق کے بعد جو اطمینان وانشراحِ قلب میسر آتا ہے وہ گنگا و جمنا کے سنگم کا سا لطف سامنے کر دیتا ہے۔ اس حد پر پہنچ کر انسان اپنے اندر اتنا سکون محسوس کرتا ہے کہ پھر تلاشِ حق کا لفظ سننا بھی اُسے گوارا نہیں ہوتا۔ اسی لئے سورہ الجاثیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریقِ امتنان ارشاد فرمایا گیا تھا کہ دیکھئے اتباعِ ہوی کی اس گرم بازاری کے زمانہ میں ہم نے آپ کو ہدی پر قائم رکھا ہے یہ کتنا بڑا احسان ہے تو اب آپ ان بےعلموں کی ہوی کا ساتھ نہ دیں۔ ہوی کے ان غیر معمولی اثرات اور برقی تاثیر و تعدیہ کا حال حدیثِ افتراق کے آخری جملوں میں بدیں الفاظ ذکر کیا گیا ہے۔

وانہ سیخرج فی امتی اقوام	آئندہ میری امت میں کچھ لوگ آئیں گے جن میں
تتجاری بھم تلک الاھواء کما	یہ اہوا اور خواہشات اس طرح رچی ہوئی ہوں
یتجاری الکلب بصاحبہ	گی جیسا کہ ہڑک کتے کاٹے کے جسم میں کہ کوئی رگ
لا یبقی منہ عرق ولا مفصل	اور کوئی جوڑ اس کا ایسا نہیں رہتا جس میں یہ
الا دخلہ (ابوداؤد)	بیماری گھسی ہوئی نہ ہو۔

تشبیہات انبیار علیہم السلام اور استعارات شعراء میں فرق

یہ انبیار علیہم السلام کے تشبیہات ہیں، شاعروں اور افسانہ نگاروں کے استعارات نہیں اس لئے یہاں صرف رنگینی اور لطف اندوزی مقصود نہیں ہوتی بلکہ حقیقت کی صحیح سے صحیح ترجمانی مدنظر ہوتی ہے۔ کتے کاٹے کی بیماری پر غور کیجئے تو اس میں آپ کو دو باتیں نظر آئیں گی۔ ایک یہ کہ چونکہ یہ بیماری ایک ایک جوڑ میں سرایت کرجاتی ہے اس لئے لاعلاج ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ جس طرح یہ بیماری درصل دیوانہ کتے میں موجود ہوتی ہے لیکن جب وہ کسی کو کاٹ لیتا ہے تو اس کو بھی اس بری طرح لگ جاتی ہے کہ پھر یہ شخص بھی کتے کی طرح خوفناک اور قابلِ احتراز ہوجاتا ہے حتیٰ کہ اگر یہ کسی تیسرے انسان کو کاٹ لے تو اس پر بھی وہی اثر ظاہر ہوجاتا ہے جو دیوانہ کتے کے کاٹنے سے ہوتا۔

اصحاب ہویٰ کو توفیقِ توبہ میسر آنا مشکل ہے

ان خصوصیات کے بعد اب اگر آپ اہلِ ہویٰ کے حالات کا موازنہ کریں تو اس تشبیہ میں آپ کو نبوت کا ایک اعجاز نظر آئے گا۔ ہویٰ کا حال بھی یہی ہے کہ جب وہ انسان کی رگ و پے میں سرایت کرجاتی ہے تو پھر وہی انسان کو بشکل "ہدیٰ" نظر آنے لگتی ہے اس لئے یہاں توبہ کی امید نہیں رہتی توبہ کی توفیق اس وقت ہوسکتی ہے جبکہ قلب کا کوئی گوشہ ہویٰ سے خالی ہو مگر جب رگ رگ میں ھویٰ سرایت کرجائے تو اب توبہ کی توفیق کہاں سے آئے اسی لئے سورہ جاثیہ میں فرمایا ہے۔

اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ	بھلا دیکھئے تو جس نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا •
وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ	اور حاکم ٹھیرالیا اور علم رکھنے کے باوجود خدا نے
عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى	اس کو راہ سے بھٹکادیا اور اس کے کان اور
بَصَرِهٖ غِشَاوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ	دل پر مہر لگادی اور آنکھوں پر پردہ ڈالدیا تو
مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ	اب اس کو خدا کے بعد کون ہدایت دیسکتا ہے
(الجاثیہ)	کیا تم اس پر غور نہیں کرتے۔

علم کی گمراہی جہل کی گمراہی سے بدتر ہے

آیتِ بالا میں چند اہم فوائد بتلائے گئے ہیں پہلا یہ کہ جس طرح

بے علمی گمراہی کا سبب بنتی ہے اسی طرح کبھی علم بھی گمراہی کا سبب ہوجاتا ہے مگر جو گمراہی کہ علم کی راہ سے آتی ہے اس کا نتیجہ بھی انتہائی خطرناک ہوتا ہے یہ گمراہی تاریکی کی گمراہی نہیں بلکہ روشنی کی گمراہی ہے جہل کی نہیں، علم کی گمراہی ہوتی ہے اس لئے یہاں سامانِ ہدایت سب معطل ہوجاتے ہیں، نہ کان کچھ سنتے ہیں اور نہ آنکھیں غور و فکر کرنے کے لئے تیار ہوتی ہیں اور قلب میں تو حکومتِ ہوٰی کی وجہ سے حق بینی اور حق فہمی کی کوئی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی اس لئے یہاں ہدایت و توبہ کی کوئی توقع نہیں رہتی۔ اگر خدا ہی اسبابِ ظاہریہ سے بالاتر طریقہ پر ہدایت نصیب فرمائے تو یہ دوسری بات ہے اسی کو دوسری آیت میں بلفظِ طبع ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ (محمد) یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کردی ہے اور وہ اپنے خواہشات کے پیچھے چل پڑے ہیں۔

سورہ جاثیہ میں جس بدنصیبی کو لفظِ ختم سے تعبیر فرمایا تھا یہاں لفظِ طبع سے ارشاد فرمایا گیا ہے دونوں لفظوں کا حاصل وہی محرومی اور شقاوت ہے۔

ہوٰی پرست کو خدا پرستی کا مغالطہ

دوسری بات یہ کہ ہوٰی پرست کو اتباعِ ہوٰی میں وہ مزا آتا ہے جو خدا پرست کو عبادت میں کیونکہ جب اس نے اپنی ہوا ہی کو اپنا خدا بنا لیا ہے تو پھر اسی کی فرمانبرداری اس کو خدا کی فرمانبرداری نظر آنی چاہیے اس لئے جتنا ایک خدا پرست ہدٰی کے اتباع کی سعی کرتا ہے اس سے زیادہ ایک ہوٰی پرست اپنی ہوٰی کے اتباع کے پیچھے رہتا ہے اور حیرت ہے کہ راستہ کے اس اختلاف کے باوجود دونوں کے خیال میں مقصد پھر ایک ہی ہوتا ہے یعنی خدائے قدوس کی فرمانبرداری اس التباس کے بعد متبعِ ہوٰی سے توبہ کی توقع ایسا ہے جیسا کہ ایک متبعِ ھدی سے کفر کی توقع۔ نہ وہ اپنے اسلام کو چھوڑ سکتا ہے نہ یہ اپنی ہوی کو اس کا نتیجہ پھر وہی توبہ سے محرومی نکلتا ہے

اتباعِ ہوٰی کو گمراہی لازم ہے

تیسری بات یہ کہ اتباعِ ہوٰی اور ضلالت لازم و ملازم ہیں اسی لئے ہم نے کہا تھا کہ اتباعِ ہوٰی اور اتباعِ ہدٰی دو متضاد نقطے ہیں۔ اس کا حاصل یہی تھا کہ اتباعِ ہوٰی کا نتیجہ ضلالت و گمراہی ہے اسی کو آیتہ ذیل میں بیان فرمایا گیا ہے۔

یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ ۔ (ص)

اے داؤد ہم نے آپ کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے تو مخلوق میں سچائی کا فیصلہ کیجئے اور خواہش و ہوی کی اتباع نہ کیجئے کہ یہ آپ کو خدا کے راستے سے بھٹکا دے گی۔

ت حق اتباع ہوی کے منافی ہے | اس آیت میں بھی اسی مضمون کو بتلایا جا رہا ہے کہ آپ خلیفہ ہیں آپ کے لئے ضروری ہے کہ خدا کی زمین پر خدا ہی کے احکام نافذ کریں یہی خدائی خلافت کا ن ہے لیکن اگر آپ نے ہوی اور اپنی خواہش کی پیروی کی تو پھر خدا کی راہ آپ کو نظر نہیں آسکتی اور سے نظر آسکتی ہے جبکہ اس کی خاصیتہ اسبابِ ہدی کا تعطل ہو۔

دوم اس آیت سے جہاں ہوی اور ضلالت کا ربط معلوم ہوتا ہے وہاں یہ بھی معلوم وتا ہے کہ اتباع ہوی شانِ خلافت کے بھی منافی ہے خدا کا خلیفہ دنیا میں اس لئے آتا ہے کہ وہ وسروں کو بھی اسی کے راستہ پر لگائے نہ اس لئے کہ خود ہی گم کردہ راہ بن جائے۔

تباع ہوی شریعت اور یاست دونوں کے لئے مضر ہے | تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہوی جس طرح مسائلِ شریعت کی فہم میں مخل ہوتی ہے اسی طرح حکومت، عدل و انصاف، معاملہ فہمی کے لئے بھی سدِّ راہ ہے چونکہ خلیفہ کا تعلق دونوں شعبوں سے ہوتا ہے اس لئے اس مرکزی نقطہ پر متنبہ رہنے کی اس کو پوری ہدایت کی گئی ہے۔ اس کی مزید تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السموات والارض ۔

اگر حق ان کے خواہشات کی پیروی کرتا تو آسمان و زمین فاسد ہو جاتے۔

معلوم ہوا کہ اتباعِ ہوی جس طرح نظامِ مذہب میں مخل ہے اسی طرح نظامِ عالم کو بھی درہم و برہم کرنے والا ہے۔ اسی لئے صاحب موافقات نے تو اس پر ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے کہ شریعت داعیۂ ہوی کو ختم کرنے کے لئے ہی آئی ہے۔

مذمتِ ہوی میں سلف کے اقوال | مناسب ہے کہ اس سلسلہ میں ہم سلف کے چند آثار بھی نقل کردیں

کہ ہمارے نزدیک علم یہی ہے۔ سفیان ثوری ؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابنِ عباس رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی خوش اعتقادی میں بولا "انا علی ھواک" میں تو آپ کی ہوی (خواہش) کا متبع ہوں۔ اس پر ابن عباس رضؓ نے جواب دیا "الھوی کلہ ضلالۃ" ہوی (خواہشات) سب گمراہی ہے پھر بطریق تادیب وسرزنش فرمایا "ای شئ انا علی ھواک" انا علی ھواک کیا چیز ہے یعنی کچھ نہیں — ابنِ وہب حضرت طاؤس سے نقل کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے جہاں ہوی کا ذکر کیا ہے وہاں اس کی مذمت ہی فرمائی ہے[۱] اب آیاتِ ذیل کو بغور پڑھئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ جہاں ہوی کا ذ[کر] آیا ہے مذمت ہی کے سلسلہ میں آیا ہے۔

اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَھْوَی الْاَنْفُسُ۔	صرف اٹکلوں اور اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔

آیتِ بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اتباع ہوی اور اتباعِ ظن وتخمین یہ ایک ہی نوع کی با[تیں] ہیں واقعات اور حقائق سے دونوں دور دور رہتے ہیں۔

اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ کَمَنْ زُیِّنَ لَہٗ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَھْوَآءَھُمْ۔ (محمد)	بھلا وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے کھلے ہوئے راستہ پر ہو اُن کے برابر ہو سکتا ہے جن کے نظروں میں اپنے اعمال بد مزین ہوں اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے ہوں۔
وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی (والنازعات)	جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو یقیناً اس کی جگہ جنت ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ احتراز ہوی مورثِ خوف ہے اور اتباعِ ہوی موجب بے خو[فی]

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ (النجم)	وہ خواہشِ نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ صرف خدا کی وحی ہوتی ہے جو اس پر نازل ہوتی ہے۔

[۱] کتاب الاعتصام ج ۲ ص ۱۵۲ و ۱۵۵۔

یہاں آپ کا نطق دو ہی صورتوں میں منحصر کر دیا گیا ہے ہوٰی اور وحی تیسرا اور کوئی احتمال نہیں۔ اسی لئے جب ہوٰی آپ کے کلام سے منفی ہے تو صرف اس کا وحی ہونا متعین ہے معلوم ہوا کہ ہوٰی اور وحی دو متضاد چیزیں ہیں۔ اگر ان چند آیات پر ہی غور کرو تو معلوم ہو گا کہ ہوٰی صرف ظنون یعنی اٹکل اور تخمین کا نام ہے۔ کوئی سماوی روشنی اس کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ اپنے اعمال کے ابدتری کو اچھی صورت میں سمجھنا اور سمجھانا اور خدا سے بے خوفی اس کا واحد منشا ہوتا ہے، وحی سماوی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ضلالت و گمراہی اس کو لازم ہے۔ غرض نظامِ معیشت اور نظامِ مذہب دونوں کے لئے تباہ کن ہے اور شخصی مضرت کے لحاظ سے اس کا اثر انسان کے لئے اس کے اسبابِ ہدایت کا کلی تعطل ہے اسی لئے اس پر ایک طرح توبہ کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے اور اس کے شفا یاب ہونے کی اسی طرح توقع نہیں رہتی جیسا کہ کتے کاٹے شخص کی۔

ہوٰی متعدی مرض ہے | تشبیہ کا دوسرا جزء تعدیہ ہے آپ کے نزدیک تو یہ صرف مجاز و استعارہ ہوگا، مگر آیئے سلف کو دیکھئے کہ انھوں نے کیا سمجھا تھا۔

عن ابن مسعود قال من احب	حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص تم میں
ان یکرم دینہ فلیتعزل لمخالطۃ	اپنے دین کی قدر کرنا چاہے اسے شیطانی افعال
الشیطان ومجالسۃ اصحاب	اور اصحابِ اہوا سے علیحدہ رہنا چاہئے کیونکہ
الاھواء فان مجالستھم الصق	ان کے پاس بیٹھنے سے ان کی بیماری خارش
من الجرب۔	کی طرح اڑ کر لگتی ہے۔

ایوب فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص ابن سیرین کے پاس گیا اور بولا اے ابوبکر (ان کی کنیت ہے) میں آپ کے سامنے قرآن کی صرف ایک آیت تلاوت کرنا چاہتا ہوں اسے پڑھکر بس فوراً چلا جاؤں گا۔ ابن سیرین نے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور فرمایا اگر تو مسلمان ہے تو میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، ابھی میرے گھر سے چلا جا اس نے کہا اے ابوبکر میں آیت پڑھنے کے سوا اور کوئی تقریر نہیں کروں گا۔ انھوں نے فرمایا جا بس تو چلا ہی جا۔ جب وہ چلا گیا تو فرمایا

خدا کی قسم اگر مجھے یقین ہوتا کہ میرا دل ایسا ہی مطمئن رہے گا جیسا کہ اب ہے تو میں اسے آیت
پڑھنے کی اجازت دیدیتا لیکن مجھے اندیشہ یہ تھا کہ کہیں وہ آیت پڑھ کر میرے دل میں کوئی
ایسا شبہ پیدا نہ کردے جسے میں بعد میں نکالنا چاہوں اور نہ نکال سکوں [۱] امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں
۔ صاحبِ بدعت سے بات چیت مت کرو اور نہ اس سے جھگڑا کرو، وہ تمہارے دل میں فتنہ کا بیج ڈالدیگا
ان آثار سے معلوم ہوگیا کہ صاحب شریعت کی وہ تشبیہ پر مغز اور حقیقت سے کتنی قریب تر تھی۔

ہوی کی جاذبیت اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ہوی معنوی طور پر اپنے اندر کچھ ایسی جاذبیت رکھتی
کہ اس کے آثار بعض مرتبہ غیر اختیاری ہوجاتے ہیں۔ انسان سمجھتا ہے کہ یہ چیز ناحق ہے مگر
اس کے باطل اثرات گھن کی طرح اندر ہی اندر اس کے ایمان کو کھائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ جبر
اور مشاجرات صحابہ کے مسائل۔ ایک اچھا خاصہ ایماندار شخص بھی جب اس وادی میں قدم رکھ
ہے تو کچھ دور چل کر شبہات اور وساوس کی جھاڑیوں میں الجھکر رہ جاتا ہے اور ہزار کوشش
باوجود اس کا ایمان زخمی ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اسی لئے صاحب شریعت نے اس پُرخار واد
میں قدم رکھنے کی ممانعت کردی ہے مگر مصیبت تو یہ ہے کہ جتنا اُدھر سے ممانعت کی تاکید
ہوئی، اتنا ہی یہاں اس کے سیر و سیاحت کا شوق دونا ہوا۔ حضرت ابن مسعودؓ کے الفاظ میں
یہ دلیری اور ایمان کی پختگی کی بات نہیں بلکہ اپنے دین کے اکرام نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اگر ہوی میں
جاذبیت نہ ہوتی تو اس میں فرقہ بندی کی یہ طاقت بھی نہ ہوتی۔

قرآن وسنت عقل کے لئے روشنی ہیں نہ کہ عقل قرآن وسنت کے لئے ایک جماعت نے جب اپنی اہوا و خواہشات کی روشنی میں
قرآن وسنت کا مطالعہ شروع کیا تو معیار صحت انھیں ا
عقل ہی نظر آئی۔ پھر جو آیت اور حدیث اس معیار کے موافق اتری اس کو تسلیم کرلیا ورنہ تاو
یا انکار کا راستہ اختیار کیا اور اس معصیت کا عذر گناہ بدتر از گناہ یہ تراشا کہ صاحب شریعت
کا کلام عقل کے مخالف ہو ہی نہیں سکتا یہ بالکل درست تھا مگر صاحب! سوال یہ ہے کہ ا

[۱] الاعتصام ج ۲ ص ۲۴۱ ۔ [۲] ایضاً

عقل کا بھی کوئی معیار ہونا چاہئے۔ خلافِ عقل کہنے کا بھی کوئی ضابطہ ہونا چاہئے۔ ان مراحل پر بحث کئے بغیر فلاسفہ دور نے جوسطے کردیا بس وہ نو وحی منزل من السماء بن گیا اور جو وحیِ حقیقی نے ہدایت کی اسے اساطیر اولین کہکر محتاجِ نقد بھی نہ سمجھا گیا۔ چنانچہ حشر اجسام، صراط، میزانِ اعمال جسمانی عذاب وثواب، رؤیتہ باری تعالیٰ، جنت وجہنم، اس قسم کے اور جتنے امور پروازِ عقل سے بالاتر تھے سب کا گو صاف انکار تو نہیں کیا گیا مگر اس طرح تسلیم کیا جس کو درحقیقت ایک تسلیم نما انکار ہی کہنا چاہئے۔ بلاشبہ اگر مذکورہ بالا مسائل کو صرف عقل کے ذریعہ طے کیا جائے تو یہ مشکل ہے نورِ وحی کے بغیر نہ وہ دریافت ہوئے اور نہ صفتِ ایمان کے بغیر وہ حدیقین میں آسکتے ہیں۔

آخر کار اس غلط بنیاد کی وجہ سے دین میں عقائد واصول کا دوسرا اختلاف پڑ گیا اور جس طرح کہ پہلے اختلاف کی بنیاد جہل پر قائم ہوئی تھی اس اختلاف کا قلعہ عقل پر تعمیر ہوا۔ اسی کی طرف حدیث افتراقِ امت کے بعض طرق میں یہ الفاظ اشارہ کرتے ہیں۔

الذین یقیسون الامور	یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو دین کے مسائل میں صرف
برأیھم فیحلون الحرام	قیاس آرائیاں کرتے ہیں اور حرام کو حلال
ویحرمون الحلال۔	اور حلال کو حرام بنادیتے ہیں۔

ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ ابنِ معین نے اس زیادتی کو بے اصل قرار دیا ہے مگر صاحب الاعتصام بعض علماء سے نقل فرماتے ہیں کہ انھوں نے ابنِ معین کا یہ حکم تسلیم نہیں کیا اور کہا ہے کہ یہ ٹکڑا اور ثقہ راویوں سے بھی منقول ہے لہٰذا اس کی اسناد بے غبار ہے۔ ہاں اگر ان کے علم میں اس کے سوا کوئی اور خفی علت ہے تو دوسری بات ہے۔

مذموم قیاس آرائی کیا ہے؟ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ الفاظ مذکورہ بالا میں اس قیاس آرائی ہی کی مذمت ہو رہی ہے جو دین کی حقیقت بدل ڈالے اس کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنادے۔ غیر منصوص جزئیات کے احکام کا اصول شریعت کے مطابق حاصل کرنا پھر ان کے اسباب وحکم پر بحث کرنا مذموم قیاس آرائی میں داخل نہیں بلکہ اہلِ علم کے لئے ضروری ہے اس لئے یہ سمجھنا نافہمی ہے

کہ ہم نے دین کو بلاوجہ ایک معمہ بنانے کی دعوت دی ہے یا غور وتفکر کی راہ معطل کرنے کی سعی کی ہے اس تقریر سے ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں۔ قرآن جگہ جگہ تدبر و تفکر کی دعوت دیتا ہے طرح طرح سے واقعاتِ ماضیہ بیان کرکے ان سے عبرت پذیری کی ترغیب دیتا ہے آیات آفاقی و انفسی کا بغور مطالعہ شیوۂ مومنین قرار دیتا ہے۔ اور حلال و حرام کے معاملہ میں بھی اس حد تک غور وفکر کی ممانعت نہیں کرتا، جہاں تک اس کے احکام کی تبدیل و ترمیم نہ ہو، ہاں اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اگر آپ کی عقل نارسا اس کے منصوص احکام کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز رہے تو ان کو توڑ موڑ کر آپ اپنی عقل کے سانچے میں ڈھال لیں یہی اتباعِ ہوٰی ہے۔ اتباعِ ہدیٰ یہ ہے کہ شریعت کو حاکم اور عقل کو محکوم اس کو متبوع اور اس کو تابع بنایا جائے۔ اور اتباعِ ہوٰی یہ ہے کہ عقل کو حاکم اور شریعت کو اس کا محکوم بنا دیا جائے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں عقل سے کام لینا حکمت ہے اور عقل کے حدود میں قرآن و سنت کو محدود کر دینا اتباعِ ہوٰی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے غور وتفکر پر کوئی چوکی پہرہ قائم نہیں کرتا مقصد صرف یہ ہے کہ عقل کو عقل کی حد پر رکھئے اور اس کو دیو بے زنجیر کی طرح آزاد مت بنائیے ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن کہ جا ہا سپر باید انداختن

اختلاف وافتراق کا تیسرا سبب اتباعِ عادات ہے

قومی، ملکی یا خاندانی عادات اور رسم و رواج کچھ اتنی بری چیزیں بھی نہیں کہ ان کی اصولاً مذمت ہی کی جائے بلکہ اگر غور کیجئے تو یہ انسانی اصلاحِ معیشت کا ایک فطری دستور العمل بھی ہیں بہت سی وہ اصلاحات جو انسان آئینی طور پر قبول کرنا پسند نہیں کرتا اپنی خاندانی یا ملکی عادات کی وجہ سے خوشی خوشی قبول کر لیتا ہے اسی لئے شریعتِ حنیفیہ نے اس کا بڑا لحاظ کیا ہے بلکہ قانونِ یسر کا یہی ایک بڑا اصول ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسانوں میں کوئی فاسد عنصر ظلم و تعدی اور محض اپنے جہل و بے علمی کی وجہ سے کوئی بات کر گذرتا ہے اُس کے دستِ نگر تو اس کے خوف کے مارے چون و چرا نہیں کر سکتے اہلِ علم اپنی بے دست و پائی کی وجہ سے اغماض کر لیتے ہیں لیکن جب اسی حال پر کچھ زمانہ گذر جاتا ہے اور کوئی سماوی بلا

ارضی طاقت اس میں انقلاب پیدا نہیں کرتی تو پھر یہی عام عادت بن جاتی ہے اور شدہ شدہ اہلِ مذہب اس کو اپنے مذہب کا جزو قرار دیدیتے ہیں۔ بعض مزارات پر بھنگ نوشی اور سجادہ نشین کے لئے عزوبت کی زندگی گویا شرطِ سجادگی تھی۔ آخر ایک دور آیا اور آنکھ کھلی تو اس کے خلاف آواز بلند کی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ ہائی کورٹ تک مقدمہ پہنچا جب مدعین سے اس کا ثبوت طلب کیا گیا تو ان سے پاس بجز اس کے کوئی دلیل نہ تھی کہ یہ اس درگاہ کی قدیم رسم ہے۔!

اسی طرح فاسد عادات کچھ زمانہ کے بعد مذہبیت کا رنگ پیدا کر لیتی ہیں اور دین میں محض اس رسم بد کی وجہ سے فرقہ بندی کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ شب برات کی آتش بازی اور عرسوں میں شراب و قمار بازی مذہب کی تعلیم نہیں لیکن یہی عادات ہیں جن کو مذہبی رنگ دیدیا گیا ہے یہ عادات بعض جہلا میں تو اتنی راسخ ہو چکی ہیں کہ ان کے خلاف آواز اٹھانا گویا علمِ جہاد بلند کرنا ہے اسی کا نام اندھی تقلید ہے۔

اندھی تقلید کیا ہے؟ قرآن کریم نے جہاں کہیں مذمت کی ہے اسی قسم کی تقلید کی کی ہے جب کبھی قرآن نے کفار کی بے تکی اور نامعقول باتوں پر دلائل کا مطالبہ کیا ہے تو ان کے پاس ایک ہی جواب تھا۔ وَقَالُوا اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰی اُمَّۃٍ وَاِنَّا عَلٰی اٰثَارِھِمْ مُّقْتَدُوْنَ. کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادوں کی روش یہی دیکھی ہے اس لئے ہم ان ہی کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔ اس پر قرآن کریم نے جو اعتراض کیا وہ یہ نہیں تھا کہ آباء واجداد کی تقلید کرنا غلط ہے بلکہ یہ تھا کہ اَوَلَوْ کَانَ اٰبَاءُ ھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَھْتَدُوْنَ۔ یعنی اگر تمہارے باپ دادوں میں عقل وہدایت کا کوئی شمہ بھی نہ ہو پھر بھی تم ان ہی کی تقلید کئے چلے جاؤگے۔ دوسری جگہ ذرا اس سے نرم لہجہ میں ارشاد ہے۔

قُلْ اَوَلَوْ جِئْتُکُمْ بِاَھْدٰی	آپ کہدیجئے کہ اگرچہ میں تمہارے سامنے وہ راہ پیش
مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَیْہِ اٰبَاءَکُمْ	کروں جو اس سے کہیں زیادہ بہتر ہو جس پر تم نے اپنے
قَالُوْا اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِہٖ	باپ دادوں کو پایا ہے انہوں نے جواب دیا کہ جو طریق
کٰفِرُوْنَ (زخرف)	تم دیکر بھیجے گئے ہو ہم تو اسے مان نہیں سکتے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ان کے آباء واجداد میں عقل کی روشنی یا نورِ ہدایت ہوتا تو قرآن کو ان کی تقلید پر کوئی اعتراض بھی نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی نظر میں کورانہ تقلید یہ ہے کہ گمراہی اور بے عقلی کی تقلید کی جائے خواہ پھر اس کے ساتھ ہزار دلائل بھی کیوں نہ ہوں اس کے بالمقابل روشن خیالی یہ ہو کہ ہدایت اور عقل کی بات کی پیروی کی جائے خواہ وہ کتنی ہی خاموش اور کتنی ہی سکوت کیساتھ ہو۔ ہمارے موجودہ دور میں اندھی تقلید اور جمود کا مفہوم ہی غلط سمجھا گیا ہے۔ عالم غیب کی بلند سے بلند حقائق الاہیات کے عمیق سے عمیق معارف اور اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کی ان تمام باتوں کو ان کے اعتماد پر مان لینا جن کو ان کی سچی نظروں نے خود دیکھا یا فہم سلیم نے خوب سمجھا ہے کورانہ تقلید کہلاتا ہے اور یورپ کے فلاسفروں کے ناتمام اور ادھوری تحقیقات کو پورے یقین کے ساتھ مان لینا روشن خیالی کے نام سے موسوم ہے اگر زیادہ غور سے دیکھا جائے تو اختلاف دلائل وبے دلائل کا نہیں بلکہ اعتماد و بے اعتمادی کا ہے عصر حاضر کے موجدین پر چونکہ پورا اعتماد حاصل ہے اس لئے ان کی باتیں دلیل یا بے دلیل ماننا سب روشن خیالی میں شمار ہے اور انبیاء علیہم السلام پر چونکہ دلی گہرائیوں میں وہ یقین حاصل نہیں ہوتا اس لئے یہاں تصدیق کے لئے ان کے فرمان سے بھی کسی اور بڑھکر دلیل کی ضرورت باقی رہتی ہے اور ان کی باتیں بے دلیل ماننا اندھی تقلید نظر آتی ہے حالانکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سب علوم نہایت کھلے اور اتنے صاف ہوتے ہیں کہ ان کے لئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

(۱) اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ	بھلا جو شخص اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر چلتا ہو اس کے
کَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ	برابر ہو سکتا ہے جن کو اپنا برا کام بھلا نظر آتا ہے اور
وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ (محمد)	اپنی خواہشات پر چلتے ہیں۔
(۲) اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ فَهُوَ	بھلا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے لئے
عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (زمر)	کھولدیا ہو تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی میں ہے۔
(۳) اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ	بھلا جو شخص یہ یقین کرتا ہے کہ جو تیرے پروردگار کی طرف سے
الْحَقُّ. کَمَنْ هُوَ اَعْمٰی (الرعد)	تجھ پر اترا وہ حق ہو اس کے برابر ہو سکتا ہے جو نابینا ہے۔

ان آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس راستہ کی دعوت دیتے ہیں وہ خود ایک کشادہ اور کھلا ہوا راستہ ہوتا ہے ان کی مقابل جماعتوں پر اس کی یہ کشادگی اس لئے پوشیدہ رہتی ہے کہ ان کے سامنے ان کے اعمالِ بد مزین ہوتے ہیں، ان کے اہوار و خواہشات خود ان کی آنکھوں کا حجاب ہوتی ہیں۔ اور رفتہ رفتہ نورِ بصیرت اُن سے اس طرح سلب ہوجاتا ہے کہ پھر وہ ایک نپٹ اندھے کی طرح ہوجاتے ہیں۔ اب انصاف کرو کہ اندھی تقلید کس کی ہے اُن انبیاء علیہم السلام کی جن کو خود شرح صدر حاصل ہے ان کے علوم سراپا نور ہی نور ان کا راستہ صاف وستھرا اور کھلا ہوا راستہ ہے یا ان کی جو خود نابینا ہیں جن کی آنکھوں پر اہوار و خواہشات کے تو بر تو حجابات پڑے ہوئے ہیں اور اس لئے انھیں اپنی بدعملی ہی بھلی نظر آتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح سطحی علم اور اتباع ہوا فرقہ بندی کا سبب ہوجاتے ہیں اسی طرح اتباع عادات ورسوم بھی اس کا سبب بن جاتی ہیں یہ تینوں اسباب ایک جگہ جمع بھی ہوسکتے ہیں اور جدا بھی ہوسکتے ہیں اور وقت کی مساعدت اور ماحول کی مناسبت پر ان جماعتوں کے گھٹنے بڑھنے، پیدا ہونے اور فنا ہونے کا مدار رہتا ہے امید نہیں ہے کہ مذہبی افتراق و تشتت کے لئے ان امور کے اسباب ہونے میں دو رائیں ہوں مگر جو بات ہر دور میں عقدہ لاینحل بنکر رہ جاتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی فرقے کے علم کو سطحی کہدینا یا اس کو متبع ہوی قرار دینا یا کسی رسم کو رسم جاہلیت ٹھیرا دینا آسان بات نہیں ہر فرقہ اپنے علم کو عمیق اور اپنے طریق کو اتباع سنت اور اپنی رسم ورواج کو طریق سلف کہتا ہے اس گتھی کو سلجھانے سے عقل کے ناخن عاجز ہیں۔ ایک فرقہ کا فیصلہ دوسرے کے حق میں معتبر نہیں ہوسکتا اور اس مرحلہ پر پہنچکر خدا کی اس تقدیر پر راضی ہونا پڑتا ہے جسکی طرف اس نے یہ فرماکر اشارہ کیا ہے ولذلك خلقهم۔ ہم نے اس تماشا گاہ اختلاف کو اختلاف ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسی ہنگامہ اختلاف میں انبیاء علیہم السلام وحدت واتحاد کی دعوت دیتے چلے آئے ہیں اور ہمیشہ ان کی اس آواز پر اختلاف و تشتت بڑھتا رہا ہے اسی کشاکش میں دنیا کی حیوۃ کا راز مضمر ہے اگر خیر وشر ایک طرف ہوجائے تو شاید کارخانۂ عالم درہم وبرہم ہوجائے۔

(باقی آئندہ)